# برصغیر میں فقہی اصلاحات اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خدمات ایک تجزیاتی مطالعہ

*حافظ مبشر حسین

**Abstract**

*Shah Wali Allah Dehlawi (1703-1762), one of the greatest thinker produced by Muslim South Asia, was a prolific writer of his age who contributed both in Arabic and Persian almost every branch of Islamic knowledge and inspired almost all religious circles through his thought-provoking ideas. In Subcontinent, he is seen as an intellectual inspiration behind almost all contemporary interpretations of Muslim thought. Modernists, Ahl-I Sunnat wa al-Jama'at, Ahl-I Hadith, Deobandis, the Jama'at-I Islami and others view him as an intellectual precursor to their own interpretations of Islam. In the Indian context, Shah Wali Allah was deeply concerned about sectarian differences among Sunni Muslims and consciously endeavored to harmonize the major disagreements. This paper aims to throw light on Shah Wali Allah's concept of legal reforms* as well as his role in this respect.

**Keywords:** Shah Wali Allah, legal reforms, Islamic law, Fiqh, Subcontinent,

**تعارف :**

برصغیر کی تاریخ میں بڑی بڑی شخصیات پیدا ہوئی ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (احمد بن عبد الرحیمؒ) کواسلامی تاریخ کی تجدید و احیاء دین کی روایت میں اپنے علمی و فکری کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ کے دور (۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) میں مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود نے جو شکل اختیار کر رکھی تھی، آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے تاریخِ اسلامی کا گہرا ناقدانہ مطالعہ کرکے ہر شعبہ زندگی پر وقیع علمی مواد تیار کیا۔ مسلمانوں کے فکری و فقہی اختلافات کو سمجھنا، ان کے اسباب کا پتہ لگانا، ان کے برے نتائج اور خرابیوں کو جاننا اور ان سے بچنے کی مؤثر علمی و عملی تدابیر اختیار کرنا آپ کا اہم ترین موضوع تھا۔ آپ اپنی بیشتر تحریروں (حجۃ اللہ البالغۃ، الانصاف، عقد الجید، تفہیمات الٰہیۃ وغیرہ) میں اس موضوع کو مختلف زاویوں سے زیر بحث لائے ہیں اور اپنے نقطہ نظر کو نہایت وقیع اور معقول علمی دلائل کے ساتھ پیش کرنے میں آپ نے پوری ہمت اور جرأت مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔

فقہی و مسلکی جمود و تعصب کے خاتمہ کے لیے شاہ صاحب نے فقہ میں توسع کی راہ اختیار کرنے پر زور دیتے ہوئے نہایت معتدل مسلک کی ترجمانی کی ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے نہ صرف یہ کہ اصولی مباحث چھوڑے ہیں بلکہ ان کی عملی تطبیق بھی آپ کی تحریروں (مثلاً مؤطا کی شروحات وغیرہ)میں جابجا موجود ہے۔

*اسسٹنٹ پروفیسر, سربراہ شعبہ سیرت، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شاہ صاحب برصغیر ہند کے ایک بڑے علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی ایک منجھے ہوئے عالم دین تھے۔ علم و عمل کے ساتھ آپ نہایت تعمیری

اور مثبت فکر کے حامل تھے۔ آپ کے انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے برصغیر کے تمام بڑے علمی حلقوں میں آپ کی علمی خدمات کو بالعموم ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ کے اہل و عیال، اصحاب و تلامذہ اور بالخصوص آپ کی عالمانہ عربی و فارسی تصنیفات کے ذریعے آپ کے افکار نہ صرف پورے ہند بلکہ بیرون ہند بھی پہنچے اور لوگ آپ کے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ زیر نظر مقالہ میں شاہ صاحب کے افکار کی روشنی میں فقہی توسع کے سلسلہ میں آپ کی مساعی اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

**شاہ صاحب کے دور میں فقہی جمود کی صورت حال:**

محمد بن قاسم کے فتح سندھ کے بعد کئی صدیوں تک ہند میں حدیث کا چرچا رہا لیکن جب عربی سلطنت کی جگہ غزنوی اور غوری سلطنتوں نے لے لی اور لوگ خراساں اور ما وراء النہر سے آنے لگے تو حدیث عنقا ہو گئی اور اس کی جگہ لوگوں پر شعر، نجوم، فنون ریاضیہ اور علوم دینیہ میں سے فقہ اور اصول فقہ غالب آ گئے[1] اور یہ غلبہ نہ صرف یہ کہ بحیثیت مجموعی نویں صدی ہجری تک قائم رہا[2]، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ فقہی جمود کی شکل اختیار کر گیا۔ مولانا عبدالحی نے غیاث الدین تغلق کے عہد کا، جو تورانی حنفی علماء کے اثر و اقتدار کا دور ہے، فقہی جمود کے سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ شیخ نظام الدین بدیوانی سماع کا ذوق رکھتے تھے۔ علماء کو اس پر اعتراض تھا۔ معاملہ غیاث الدین تغلق تک پہنچا۔ اس نے شیخ نظام الدین اور فقہاء و قضاۃ کو مناظرہ کے لیے بلایا۔ شیخ نے وہ احادیث پیش کیں جن سے سماع کی اباحت ثابت ہوتی تھی۔ فقہاء نے انہیں رد کر دیا اور کہا کہ ہمارے ملک میں فقہی روایات، احادیث پر مقدم ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم ان احادیث کو سننا نہیں چاہتے کیونکہ ان سے شافعیؒ نے تمسک کیا ہے اور وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں[3]۔

شاہ صاحب کے دور میں بھی یہ فقہی جمود پوری طرح غلو کا شکار تھا جس کی مثالیں اس مقالہ میں متعدد مقامات پر دیکھنے کو ملیں گی۔ ذیل میں اس سلسلہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

[مقامی اہل علم سے خطاب کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں] اے علم کے طالبو! اے بے وقوفو! تم اپنے آپ کو علماء کہلاتے ہو، تم یونانیوں کے علوم اور نحو و صرف اور معانی میں مشغول ہو اور سمجھتے ہو کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے کہ تم اس کے غریب کی تفسیر، اس کا سبب نزول اور اس کے مشکلات کا حل سیکھو، یا علم رسول اللہ[ﷺ] کی سنت قائمہ ہے--- تم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے نبی[ﷺ] کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے، حدیث پر نہیں۔ اس کے بعد حیلہ یہ پیش کرتے ہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اس کے مطابق حکم دینا، کامل اور ماہر لوگوں کا کام ہے اور ائمہ نے، جو ایسے نہ تھے کہ یہ حدیث ان سے مخفی رہتی، اگر اس حدیث کو چھوڑا ہے تو کسی وجہ سے ہی چھوڑا ہے۔ یا تو یہ حدیث منسوخ ہو گی یا مرجوح۔ یاد رکھو دین میں ان باتوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ اگر تم

اپنے نبی[ﷺ] پر ایمان لائے ہو تو اسی کی اتباع کرو، خواہ وہ کسی مذہب کے مخالف ہو یا موافق۔ اللہ کی مرضی یہ ہے کہ تم ابتداء ہی سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں اشتغال رکھو۔ اگر ان دونوں کا اخذ تمہارے لیے آسان ہو تو فبہا و نعمت اور اگر یہ تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو سابق علماء میں سے ان لوگوں کی رائے کو اپنے لیے معین بناؤ جو زیادہ حق، زیادہ صریح اور سنت سے زیادہ موافق ہو[4]۔

شاہ صاحب کو عوام سے ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ وہ فقہی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کے اس طرح پابند ہو جاتے ہیں کہ اس سے نکلنے کو ایسا سمجھتے ہیں گویا ملت سے نکل جانا۔ گویا وہ شخص کوئی نبی [ﷺ] ہے جسے ان کے لیے بھیجا گیا تھا[5]۔

یہی شکایت انہیں خواص یعنی مقامی علماء سے بھی رہی ہے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: "میں ان لوگوں سے کہتا ہوں جنہوں نے اپنا نام فقہاء رکھ چھوڑا ہے اور جو تقلید جامد اختیار کئے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ کی کوئی حدیث صحیح اسناد سے ان تک پہنچتی ہے اور فقہائے متقدمین کی ایک جماعت نے اسے اختیار بھی کیا ہے، لیکن اس حدیث سے انہیں صرف یہ چیز روک دیتی ہے کہ جس کی وہ تقلید کرتے ہیں اس نے اسے اختیار نہیں کیا"[6]۔

**شاہ صاحب میں فقہی توسع کا رجحان :**

شاہ صاحب نے ایک دینی علمی خانوادے میں آنکھ کھولی۔ آپ کے والد حنفی المسلک عالم دین تھے اور علمی اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں آپ کا بھی حصہ رہا ہے[7]۔ لیکن حنفی المسلک ہونے کے باوجود آپ کے والد فقہی جمود کا شکار نہیں تھے اور یہی وجہ ہے کہ بعض فقہی مسائل میں انہوں نے فقہ حنفی کی بجائے دیگر فقہی مذاہب پر عمل کیا ہے[8]۔ شاہ صاحب نے دینی تعلیم چونکہ اپنے والد صاحب سے حاصل کی، اس لیے یقیناً فقہی توسع کا رجحان انہیں سب سے پہلے والد صاحب کی تربیت ہی سے ملا ہو گا جس میں ان کے اپنے مطالعہ اور غور و فکر سے وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاء ہوتا رہا۔ قیام حرمین کے دوران میں مالکی اور شافعی اساتذہ کی طویل علمی صحبت نے آپ کو اتنا متاثر کیا کہ آپ مذاہب اربعہ کو ایک ہی سطح پر سمجھنے لگے، اور آپ نے ارادہ کر لیا کہ تقلید کی زنجیر کو مذاہب اربعہ تک دراز کیا جائے اور ان تمام فقہی مذاہب میں تلفیق و توفیق کی کوشش کی جائے[9]۔

شاہ صاحب کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ امام بخاری اور امام ابن تیمیہ کے افکار سے بھی متاثر ہوئے تھے، اسی لیے آپ نے ان دونوں ائمہ کے فضائل و مناقب پر قلم اٹھایا ہے[10]اور ان کے افکار کو بالخصوص امام ابن تیمیہ کے خیالات کو اپنی تحریروں میں دہرایا ہے[11]۔

**فقہی جمود کے خاتمے اور فقہی توسع کے لیے شاہ صاحب کی مساعی :**

شاہ صاحب نے اس فقہی جمود کو توڑنے اور اس کی جگہ فقہی توسع یا اعتدال و رواداری پیدا کرنے کے لیے جو مثبت علمی کوششیں انجام دیں، انہیں آئندہ سطور میں درج ذیل عنوانات کے تحت تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا ئے گا:

(۱)فقہی ورثہ اور فقہی مذاہب کی حیثیت کا تعین (۲)فقہی ورثہ سے اخذ و استفادہ کے اصول اور بنیادیں

## فقہی ورثہ اور فقہی مذاہب کی حیثیت کا تعین

برصغیر میں فقہی توسع کی روایت قائم کرنے کے لیے شاہ صاحب نے ضروری سمجھا کہ پہلے فقہی ورثہ اور فقہی مذاہب کی حیثیت کا تعین کیا جائے اور لوگوں کو فقہی اختلافات اور ان کے اسباب و وجوہ سے آگاہ کیا جائے کہ تمام فقہاء بالخصوص فقہاء اربعہ کی فقہی خدمات مساوی طور پر قابل قدر ہیں اور مجموعی طور پر سب برابر اہمیت کے حامل ہیں، تاکہ کسی ایک فقہی مذہب کی تقلید کو لوگ ضروری نہ سمجھیں، بلکہ سب سے استفادہ کی علمی روایت ڈالی جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے الانصاف اور حجۃ اللہ البالغہ میں جو سیر حاصل بحثیں کی ہیں ان کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے: فقہی اختلاف طبعی عمل ہے، فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں؛ تمام فقہی مذاہب برابر ہیں؛ کسی ایک مذہب کی جامد تقلید درست نہیں؛ اور کوئی فقہی مذہب تنقید سے بالا تر نہیں۔(آئندہ سطور میں اس کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے)

**(۱)فقہی اختلاف طبعی عمل ہے، فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں :**

حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم نے اپنی بعض کتابوں میں تفصیل سے اس موضوع پر بات کی ہے کہ فقہی اختلاف فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں ، البتہ جمود و تعصب اسے برا بنا دیتے ہیں۔مسلمانوں میں فقہی اختلافات اور فقہی مذاہب کے آغاز و ارتقاء کی وجوہ و اسباب ذکر کرتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں: "صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو اللہ کی طرف سے جتنی توفیق ملی، اس نے نبی کریمﷺ کی عبادت، افتاء، قضا وغیرہ کا مشاہدہ کیا اور اسے یاد بھی کیا اور سمجھا بھی اور احوال و قرائن کی روشنی میں آپﷺ کے اقوال وافعال کا موقع و محل تعین کرنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ بعض نے کسی بات کو مباح سمجھا، بعض نے مستحب اور بعض نے اسے ہی ایسے قرائن کی وجہ سے، جن پر اس کا اعتماد تھا، منسوخ سمجھا"[12]۔

شاہ صاحب نے تفصیل کے ساتھ ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو صحابہ کے اختلاف کے پیچھے کارفرما تھے اور آپؒ نے درج ذیل سات اسباب گنوائے ہیں:

۱۔ کسی صحابی نے نبی کریم ﷺ سے قضا یا افتاء سے متعلق کوئی بات سن لی، جبکہ کسی دوسرے نے اس بارے میں آپ ﷺ سے کچھ نہ سنا اور اپنے اجتہاد سے کام لیا۔

۲۔ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی کام کرتے دیکھا تو بعض نے اسے استحباب پر محمول کیا اور بعض نے اباحت پر۔

۳۔ صحابہ میں وہم کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔

۴۔ بعض صحابہ کا سہو و نسیان اختلاف کا سبب بنا۔

۵۔ ضبط و حفظ کی وجہ سے بھی ان میں اختلاف پیدا ہوا۔

۶۔ کسی حکم کی علت کے تعیین میں بھی اختلاف ہوا۔

۷۔ مختلف فرامین میں جمع و تطبیق کے حوالے سے بھی اختلاف پیدا ہوا[13]۔

یہی اسباب آگے چل کر مختلف فقہی مسالک کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ اس لیے کہ مختلف ممالک میں آباد صحابہ سے ان کے تلامذہ نصوص کا علم حاصل کرتےاور اپنے اساتذہ کے فہم (فقہ) کے اصولوں کو بھی سمجھتے۔ مختلف بلاد اسلامیہ میں صحابہ سے علم حاصل کرنے والے تابعین کے مختلف علمی حلقے قائم ہو گئے۔ یہ فقہی اختلافات صحابہ سے تابعین میں کس حیثیت سے منتقل ہوئے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں :

خلاصۂ کلام یہ کہ صحابہ کے مختلف فقہی مذاہب قائم ہو گئے اور ان سے تابعین نے علم حاصل کیا اور انہیں جو کچھ اللہ نے توفیق دی، اس کے مطابق انہوں نے احادیث اور صحابہ کی آراء کو یاد کیا اور مختلف آراء میں جہاں ان کے لیے آسانی تھی، انہوں نے اس میں تطبیق دی یا بعض آراء کو بعض پر ترجیح دی۔ اس عمل میں انہوں نے بعض اقوال کو غیر مؤثر سمجھ کر ترک کر دیا خواہ وہ کبار صحابہ ہی سے کیوں نہ منقول ہوں جیسا کہ جنبی کے تیمم کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی رائے کو کمزور سمجھ کر ترک کر دیا، اس لیے کہ اس کے مقابلہ میں حضرت عمارؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی احادیث ان کے ہاں مشہور و معروف ہو چکی تھیں۔ اس طرح علماء تابعین میں سے ہر عالم کے ساتھ کوئی نہ کوئی فقہی مسلک قائم ہو گیا اور ہر علاقہ میں کوئی نہ کوئی بڑا امام نمایاں ہو گیا مثلاً مدینہ میں سعید بن مسیب اور سالم بن عبد اللہ اور ان کے بعد زہری، قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمن تھے۔ اسی طرح مکہ میں عطاء بن ابی رباح تھےکوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی تھے۔ بصرہ میں حسن بصری تھے۔ یمن میں طاؤس بن کیسان تھے۔ شام میں مکحول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ کے علوم کے ساتھ لوگوں کو سیراب کیا، لوگ انہی کی طرف پلٹتے، انہی سے حدیث کا درس لیتے، انہی سے صحابہ کے فتاویٰ، آراء و اقوال کا علم حاصل کرتے اور خود ان کی اپنی آراء و تحقیقات بھی حاصل کرتے۔ انہی ائمہ سے فتویٰ طلب کرنے والے فتویٰ طلب کرتے، انہی کی طرف مسائل پلٹائے جاتے اور انہی کی طرف جھگڑے چکائے جاتے۔ سعید بن مسیبؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور انہی کے ہم مثل دیگر ائمہ نے فقہ کو مختلف ابواب میں ممکنہ حد تک جمع کر دیا اور ہر باب میں ان کے پیش نظر وہ اصول ہوتے تھے جو انہوں نے سلف سے پائے تھے[14]۔

شاہ صاحب نے دراصل فقہی مذاہب کا پورا تاریخی پس منظر تفصیل کے ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے، تاکہ فقہی توسع کی جو بات شاہ صاحب کرنا چاہتے ہیں، عوام و خواص کے لیے اسے صحیح علمی بنیادوں پر سمجھنا اور قبول کرنا آسان ہو۔

**(۲) تمام فقہی مذاہب برابر ہیں**

شاہ صاحب کے نزدیک تمام فقہی مذاہب اس معنی میں برابر ہیں کہ کوئی مذہب دوسرے پر ایسی فضیلت نہیں رکھتا جس کے پیش نظر اس کی تقلید یا حدود سے نکلنا گمراہی بن جائے اور یہ بات آپ نے اپنی تحریروں میں مختلف انداز میں پیش کی ہے،

مثلاً  ایک جگہ لکھتے ہیں:سالتہﷺعن هذه المذاهب الاربعة وبهذه الطرق أيها أولىٰ عنده بالأخذ وأحب ففاض على قلبى منہ أن المذاهب والطرق كلها سواء لا فضل لواحد على الآخر[15]"میں نے آپﷺ سے موجودہ مذاہب اربعہ کے بارے میں پوچھا کہ ان میں سے کون سا حضورﷺ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور اولیٰ ہے کہ اسے اختیار کیا جائے تو آپﷺ نے میرے قلب پر منکشف کیا کہ یہ سب مساوی درجہ میں ہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے"۔

شاہ صاحب اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے انہیں روحانی طور پر کچھ وصیتیں  کی ہیں جن میں سے ایک "ان چاروں مذاہب کا پابند رہنے کی وصیت (ہے) کہ میں ان سے نہ نکلوں اور جہاں تک ہو سکے ان میں توفیق پیدا کروں حالانکہ میری طبیعت تقلید کی منکر اور اس سے بالکل بیزار تھی، لیکن میری طبیعت (کے تقاضے) کے خلاف مجھے اس کی پابندی کا حکم دیا گیا"[16]۔
شاہ صاحب کے اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کسی ایک مذہب کی تقلید کو مجموعی حیثیت سے درست نہیں سمجھتے، جیسا کہ اگلے عنوان کے تحت دی گئی تفصیل سے واضح ہوتا ہے۔

**(۳) کسی ایک مذہب کی جامد تقلید درست نہیں:**

شاہ صاحب نے برصغیر کے فقہی جمود میں کارفرما تقلید جامد پر کئی پہلوؤں سے سخت نقد کیا ہے اور برصغیر کہ علمی تاریخ میں غالباً آپ ہی وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے تقلید جامد کے رد میں علمی مواد مہیا کیا ہے۔ڈاکٹر محمد مظہر بقا اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان کی کٹر حنفیت علامہ نسفی کے بعد سے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے تقلید جامد پر قانع تھی۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے لیے جن کا ایک عظیم مقصد اس جمود کے خلاف جہاد بھی تھا، یہ صورت حال قابل برداشت نہ ہو سکتی تھی۔ غالباً اسی لیے انہوں نے اپنی انفرادی شان برقرار رکھتے ہوئے خاص اس موضوع پر قلم اٹھایا اور اس لحاظ سے ان کے اس کام کا شمار بھی ان کے عظیم اور ممتاز تجدیدی کارناموں سے ہو گا''[17]۔

شاہ صاحب فقہی توسع و اعتدال کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ برصغیر کی مروجہ تقلید جامد سے اہل علم کو دور کیا جائے اور ان میں اجتہادی صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے، چنانچہ اجتہاد و تقلید کے سلسلہ میں آپ نے تفصیل سے کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عامی کے لیے چند مخصوص صورتوں کے علاوہ آپ تقلید کی سخت حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں تو آپ تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ درج ذیل چار طرح کے لوگوں کے لیے آپ نے تقلید کو حرام قرار دیا ہے:

1. وہ شخص جسے خود ایک گونہ اجتہاد حاصل ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو[18]۔
2. وہ شخص جس پر صاف ظاہر ہو گیا ہو کہ رسول اللہﷺ نے یہ حکم دیا اور اس کی ممانعت فرمائی اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ امر یا نہی یا منسوخ بھی نہیں، بایں طور کہ وہ مسئلہ میں احادیث اور مخالف اور موافق کے اقوال کا تتبع کرے اور اسے منسوخ نہ پائے۔ یا یہ دیکھے کہ علوم  میں تبحر رکھنے والوں کا جم غفیر

اسی کو اختیار کرتا ہے اور مخالف کے پاس قیاس یا استنباط جیسے دلائل کے سوا اور کوئی حجت نہیں۔ تو ایسی صورت میں باطنی نفاق یا ظاہری حماقت کے سوا حدیث کی مخالفت کا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا[19]۔

3. وہ عامی جو ایک معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے لیکن یہ سمجھتا ہے کہ اس جیسے شخص سے خطا ممکن نہیں اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہ یقیناً صحیح ہے اور اس نے دل میں ٹھان لیا ہو کہ وہ کسی صورت میں اس کی تقلید نہ چھوڑے گا، اگرچہ اس کے خلاف دلیل ہی کیوں نہ سامنے آ جائے۔ ایسا شخص اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله کا مصداق ہے[20]۔

4. جو شخص اسے جائز نہ سمجھتا ہو، مثلاً حنفی کسی شافعی سے یا کوئی شافعی کسی حنفی سے مسئلہ دریافت کر لے یا کوئی حنفی کسی شافعی امام کی تقلید کر لے کیونکہ ایسے شخص نے قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف بھی کیا اور تابعین کی مخالفت بھی کی[21]۔

مجموعی طور پر آپ نے تقلید جامد کی حوصلہ شکنی کی ہے، ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے: "میں ان لوگوں سے کہتا ہوں جنہوں نے اپنا نام فقہاء رکھ چھوڑا ہے اور جو یہ تقلید جامد اختیار کئے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ کی کوئی حدیث صحیح اسناد سے ان تک پہنچتی ہے اور فقہائے متقدمین کی ایک جماعت نے اسے اختیار بھی کیا ہے، لیکن اس حدیث سے انہیں صرف یہ چیز روک دیتی ہے کہ جس کی وہ تقلید کرتے ہیں اس نے اسے اختیار نہیں کیا"[22]۔

واضح رہے کہ تقلید جامد کے خلاف جو رجحان شاہ صاحب کی مختلف تحریروں میں ملتا ہے، وہی رجحان آخر وقت تک قائم رہا۔ شاہ صاحب اپنی اولاد اور احباب کو وصیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"فروع میں ان محدث علماء کی پیروی کرنا جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں اور فقہی تفریعات کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرتے رہنا۔ جو ان کے موافق ہو اسے قبول کرنا۔۔۔ امت کو کسی وقت بھی کتاب و سنت پر پیش کرنے سے استغناء نہیں ہے اور ان متقشف فقہاء کی بات نہ سننا جنہوں نے کسی عالم کی تقلید کو اختیار کر کے سنت کے تتبع کو ترک کر دیا ہو اور ان کی طرف التفات نہ کرنا اور ان کی دوری سے خدا کا قرب تلاش کرنا۔ ۔۔۔چارہ کار یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں جیسے صحیح بخاری، مسلم، سنن ابی داؤد اور ترمذی اور حنفیہ و شافعیہ کی کتابیں بھی پڑھیں لیکن عمل ظاہر سنت کے مطابق کریں"[23]۔

**(۴) کوئی فقہی مذہب تنقید سے بالاتر نہیں:**

فقہی مذاہب اگر یکساں اہمیت کے حامل ہیں تو شاہ صاحب جیسے فاضل اہل علم ان میں سے کسی فقہی مذہب پر علمی تنقید کو خلاف ادب نہیں سمجھتے اور نہ آپ کی نگاہ میں کوئی فقہی مذہب نصوص شرعیہ کی طرح 'مقدس' ہے کہ اس پر تنقید نہ کی جا سکے، آپ کی تحریروں میں جابجا ایسے مباحث ملتے ہیں جہاں آپ کبھی کسی فقہی مذہب کے کسی نکتہ پر تنقید فرماتے ہیں تو کبھی کسی اور مذہب پر۔ برصغیر میں فقہ حنفی کے حوالے سے پائے جانے والے جمود وتشدد کے باوجود آپ نے فقہ حنفی کے بہت سے اصولی و فروعی مسائل پر تنقیدکی ہے[24]۔ تاریخ اسلام میں جہاں کئی فقہی

مسالک کا وجود ملتا ہے، وہاں ایک فقہی گروہ "ظاہریہ" یا اصحاب الظواہر کے نام سے بھی موجود ہے۔ شاہ صاحب نے فقہی جمود کی طرح ظاہریت محضہ کو ناپسند کرتے ہوئے ہدف تنقید بنایا ہے ، مثلاً آپ لکھتے ہیں: "اور میں ظاہریہ سے کہتا ہوں جو ان فقہاء کے منکر ہیں جو حامل علم کا نمونہ ہیں اور اہل دین کے امام ہیں کہ یہ سب حماقت، سخافت رائے اور ضلالت میں مبتلا ہیں"[25]۔ اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''میں حق کے طلبگاروں کو چند وصیتیں کرتا ہوں، ایک وصیت یہ ہے کہ وہ جاہل صوفیوں، جاہل عابدوں، متقشف(فقہی جمود و تشدد کے قائل) فقیہوں اور محدثین میں سے اصحاب ظواہر کی صحبت اختیار نہ کریں"[26]۔

## فقہی ورثہ سے اخذ و استفادہ کے اصول اور بنیادیں

شاہ صاحب نے فقہی توسع و اعتدال کے باب میں محض تنقید ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تعمیری انداز میں اصول و ضوابط وضع کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ برصغیر کی خاص فضا میں عوام و خواص کی اصلاح و تعمیرکے جذبہ کے پیش نظر اپنے آپ کو کچھ حدود میں رکھتے ہوئے شاہ صاحب نے درج ذیل پہلوؤں پر تعمیری کام کیے ہیں:

۱۔نصوص (قرآن وحدیث ) سے براہ راست استفادہ کی روایت قائم کی

۲۔نصوص کو فقہی آراء پر فوقیت کی پورے شد و مد سے تلقین کی

۳۔مذاہب اربعہ کی شکل میں موجود فقہی ورثہ کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنے اور ان میں توفیق و تلفیق پیدا کر کے اس سے بھرپور استفادہ کی ضرورت پر زور دیا؛ اور

۴۔توفیق بین المذاہب میں فقہاء محدثین کے اسلوب کو ترجیح۔

آئندہ سطور میں ان نکات کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

**(۱) نصوص (قرآن وحدیث ) سے براہ راست استفادہ کی روایت:**

برصغیر میں فقہی جمود کے خاتمہ اور فقہی توسع کی روایت قائم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اہل علم میں یہ صلاحیت پیدا کی جائے کہ وہ تمام فقہی مذاہب سے استفادہ کی اہلیت پیدا کر سکیں۔ فقہی مسائل میں راجح و مرجوح اور اقرب الی الحق کی تعیین کے لیے ضروری تھا کہ نصوص سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت کو پروان چڑھایا جائے۔ اس مقصد کے لیے شاہ صاحب نے قرآنیات کے باب میں درج ذیل تصنیفی خدمات انجام دیں:

۱۔ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن (قرآن مجید کا فارسی ترجمہ)

۲۔المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ (فارسی)

۳۔الفوز الکبیر مع فتح الخبیر(فارسی، نیز عربی ترجمہ بھی موجود ہے) اور

۴۔ تاویل الاحادیث(شرح غریب القرآن، عربی)۔

حدیث کے ساتھ تعلق بڑھانے اور نصوص حدیث سے استفادہ کرنے کے لیے آپ نے درج ذیل تصنیفی خدمات انجام دیں:

۱۔أربعون حدیثا مسلسلۃ بالاشراف فی غالب سندھا (عربی۔ اسی کو چہل حدیث کے نام سے جانا جاتا ہے)؛
۲۔الدر الثمین فی مبشرات النبی الامینﷺ(عربی)
۳۔الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامینﷺ(عربی)
۴۔ النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخرﷺ (عربی)
۵۔المسوّی فی احادیث المؤطا (عربی)
٦۔ المصفّیٰ فی احادیث المؤطا (فارسی)
۷۔تراجم ابواب بخاری و شرح تراجم بعض ابواب بخاری(عربی) اور
۸۔الارشاد الی مہمات علم الاسناد[27]۔

**(۲) فقہی آراء پر نصوص کی فوقیت :**

شاہ صاحب نے جہاں مختلف کتابیں لکھ کر اہل علم اور عوام کو نصوص سے قریب تر کرنے کی کوشش کی، وہاں یہ بھی بیان کیا کہ نصوص اور فقہی آراءمیں تضاد کی صورت میں نصوص ہی کو فوقیت دی جانی چاہیے، مثلاً ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

ہم کسی فقیہ پر ایمان نہیں لائے کہ اللہ نے فقہ اس پر وحی کی ہے اور ہم پر اس کی اطاعت فرض قرار دی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی کی اقتداء کرتے ہیں تو صرف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا عالم ہے۔ پس جو بات بھی وہ کہے گا یا تو وہ صریح کتاب و سنت کے مطابق ہو گی یا کسی طرح اس سے مستنبط ہو گی، یا اس نے قرائن سے اطمینان قلب کے ساتھ یہ جان لیا ہو گا کہ اس صورت کا حکم اس علت سے وابستہ ہے اور اس بنا پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کر لیا ہو گا اس صورت میں گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے، وہاں یہ حکم ہو گا اور جسے قیاس کیا گیا ہے وہ اس عموم کے تحت مندرج ہے۔ یہ صورت بھی رسول اللہﷺ ہی کی طرف منسوب ہے اگرچہ اس کی راہ میں بہت سے ظنون ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی مومن کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ چنانچہ اگر ہمارے پاس اس رسول معصوم کی کوئی حدیث ، صالح سند کے ساتھ پہنچے جس کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے اور وہ حدیث اس کے مذہب کے خلاف ہے اور پھر بھی ہم اس حدیث کو ترک کر دیں اور اسی تخمین کی پیروی کئے جائیں تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا اور جس روز لوگ ، رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ہم کیا عذر پیش کرسکیں گے۔ [28]

اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں کوئی حدیث کسی فقہی مذہب کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے، اس حوالے سے شاہ صاحب نے اہل علم سے تین مختلف آراء نقل کی ہیں:

۱۔ یہ کہ حدیث پر عمل کیا جائے اور مذہب کو چھوڑ دیا جائے۔

۲۔ یہ کہ اگر ایک شخص آلات اجتہاد کا جامع نہ ہو تو اسے اپنے فقہی مذہب کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ تیسری رائے شافعیہ میں سے ابن صلاح سے شاہ صاحب نے نقل کی ہے، یہ ہے کہ اگر شافعیہ میں سے ایک شخص کو مطلقاً یا محل بحث مسئلہ میں مکمل طور پر آلات اجتہاد حاصل ہوں، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مستقلاً اس حدیث پر عمل کرے، اور اگر آلات اجتہاد تو کامل نہیں، مگر اس حدیث پر بحث کرنے کے بعد اس کی مخالفت کا کوئی شافی جواب نہ ملے اور حدیث کی مخالفت اس پر شاق ہو تو اگر امام شافعی کے سوا کسی اور مستقل امام نے اس پر عمل کیا ہو تو بھی اس کے لیے اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے اور اسی رائے کو شاہ صاحب نے مختار قرار دیا ہے[29]۔

**(۳) مذاہب اربعہ کے مابین توفیق کی ضرورت و اہمیت اور ضابط بندی:**

شاہ صاحب فقہی توسع کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ مذاہب اربعہ کی شکل میں موجود فقہی ورثہ میں توفیق و تلفیق پیدا کر کے اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں مذاہب اربعہ سے خروج کو بالعموم ناپسند کیا ہے[30]۔

عقد الجید میں اس حوالے سے آپ نے ایک پورا باب قائم کیا ہے: باب تأكيد الأخذ بهذه المذاهب الأربعة التشديد في تركها والخروج عنها (مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید اور انہیں ترک کرنے یا ان سے نکلنے کی مذمت)۔

اس باب کے آغاز میں آپ اس کی ضرورت و اہمیت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں: اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفي الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة "یاد رکھو کہ ان مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے میں بہت بڑی مصلحت ہے جب کہ ان سے کلی اعراض بہت بڑے فساد کا موجب ہے"۔

پھر آپ نے اپنے اس دعوے کو درج ذیل دلائل کے ساتھ نمایاں کیا ہے:

۱۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کریں۔ اسی لیے اس معاملہ میں تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور ان کے بعد یہی طریقہ قائم رہا کہ ہر طبقہ کے علماء اپنے سے سابق علماء پر اعتماد کرتے رہے۔ یہ طریقہ عقلاً بھی پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ شریعت کی معرفت یا تو نقل کے ذریعہ ہو سکتی ہے یا استنباط کے ذریعہ۔نقل کی صحیح صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر طبقہ اپنے ما قبل طبقہ سے متصل طور پر لے۔ اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ کسی موقع پر ان کے اقوال سے خروج کی بنا پر خرق اجماع لازم نہ آئے اور تاکہ اپنے قول کی، انہی کے قول پر بنا کرے اور اس معاملہ میں ان کے اقوال سے اعانت حاصل کر سکے۔ صرف، نحو، طب، شعر، لوہاری، بڑھئی اور رنگریزی کا پیشہ، ہر صنعت صرف اس صورت میں حاصل ہوتی ہے جب اہل صنعت کی صحبت اختیار کی جائے۔ ان کی صحبت کے بغیر صنعت کا حصول اگرچہ عقلاً ممکن ہے لیکن عملاً ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور جب یہ متعین ہو گیا کہ اقاویل سلف پر اعتماد ضروری ہے تو یہ ضروری ہے کہ ان کے معتمد علیہ اقوال صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی خدمت کی جا چکی ہو، بایں طور کہ ان کے محتملات میں سے راجح کو بیان کر دیا گیا ہو، بعض مواقع پر ان کے عوام کی تخصیص کر دی گئی ہو، بعض مواقع پر ان کے مطلق کو مقید کر دیا گیا ہو، ان کے مختلف فیہ مسائل میں جمع

کی صورتیں تلاش کر لی گئی ہوں اور ان کی علتیں بیان کر دی گئی ہوں۔ ان امور کے بغیر ان پر اعتماد درست نہ ہو گا۔ آج مذاہب اربعہ کے سوا کسی اور مذہب کی یہ کیفیت نہیں۔ البتہ مذہب امامیہ اور مذہب زیدیہ میں یہ صورت موجود ہے لیکن یہ لوگ اہل بدعت میں سے ہیں، اس لیے ان کے اقوال پر اعتماد درست نہیں۔

۲۔ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے: اتبعوا السواد الاعظم، (سواد اعظم اکثریت کی پیروی کرو)اور چونکہ ان مذاہب اربعہ کے سوا تمام حق مذاہب فنا ہو چکے ہیں، اس لیے ان کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہو گا اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہو گا۔

۳۔ یہ زمانہ چونکہ عہد رسالت سے دور ہے اور اسی لیے امانتیں ضائع ہونے لگی ہیں تو یہ جائز نہیں کہ ظالم قاضیوں یا ان مفتیوں کے اقوال پر اعتماد کیا جائے جو اپنی خواہشات نفس کے غلام ہیں، تاوقتیکہ وہ اپنی بات کو صریحاً یا دلالۃً سلف میں سے کسی ایسے شخص کی طرف منسوب نہ کریں جو صدق، امانت اور ذہانت میں مشہور ہو چکا ہے اور اس کا یہ قول محفوظ ہو اور نہ اس شخص کے قول پر اعتماد جائز ہے جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ وہ اجتہاد کے شرائط کا جامع نہیں[31]۔

برصغیر کی علمی فضا میں زیادہ تر فقہی اختلافات ، کتابوں کی حد تک، حنفیت اور شافعیت کے مابین تھے۔ شاہ صاحب نے اپنی علمی سرگرمیوں کا محور زیادہ تر انہی دو فقہی گروہوں میں تطبیق کو بنایا ہے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے کچھ نظری بنیادیں یا اصول قائم کیے اور عملاً مؤطا کی دو شرحیں لکھیں جن میں فقہی مسائل میں جمع و توفیق کی کوشش کرتے ہوئے بھرپور نمونہ امت کے سامنے پیش کیا۔

**فقہی تطبیق کی نظری بنیادیں:**

شاہ صاحب کی مختلف تحریروں میں فقہی توفیق و تطبیق کی نظری بنیادوں اور اصولوں پر بڑی واضح رہنمائی ملتی ہے، ذیل میں اس سلسلہ کے ایک اقتباس سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ تفہیمات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ سب سے زیادہ پیرو بھی انہیں دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں۔ فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین، اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں،حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے متبع ہیں۔ اس وقت جو امر حق ملاء اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ ان دونوں کے مسائل کو حدیث نبویﷺ کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو، باقی رکھا جائے اور جس کی کوئی اصل نہ ملے اسے ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں، اگر وہ دونوں مذاہب میں متفق علیہ ہوں تو وہ اس لائق ہیں کہ انہیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے اور اگر دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلے میں دونوں قول تسلیم کیے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے، یا تو ان کی حیثیت ایسی ہو گی جیسی قرآن میں اختلاف قراءت کی حیثیت ہے، یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہو گا، یا کسی مخمصہ سے نکلنے کے

دو راستوں کی سی نوعیت ہو گی جیسے تعدد کفارات یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہو گا۔ ان چاروں پہلوؤں کے باہر کوئی پہلو ان شاء اللہ تعالیٰ نہ پایا جائے گا[32]۔

**فقہی تطبیق کا عملی نمونہ:**

مؤطا کی دو شروح (المسوّی اور المصفیٰ)میں فقہی مباحث سے تعرض کرتے ہوئے شاہ صاحب نے عملی نمونہ پیش کیا ہے کہ کس طرح فقہی مذاہب میں جمع و توفیق ممکن ہے۔ ان شروح میں شاہ صاحب نے فقہی مسائل میں ائمہ اربعہ کے اختلافی مسائل پر خاص طور پر روشنی ڈالی ہے اور ان میں کسی ایک مذہب کی تقیید کیے بغیر مختلف فقہی مسائل میں عالمانہ انداز میں راجح و مرجوح کا تعین کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب نے اپنی ایک تحقیق میں ٦٧ کا انتخاب کرکے درج ذیل نتائج پیش کیے ہیں[33]:

١۔ کل زیر تحقیق فقہی مسائل:٦٧

٢۔ امام شافعیؒ کی آراء کو ترجیح:٤٧مسائل میں

٣۔ امام ابوحنیفہؒ کی آراء کو ترجیح:٧مسائل میں

٤۔ امام مالکؒ کی آراء کو ترجیح:٦مسائل میں

٥۔ امام احمدؒ کی آراء کو ترجیح:٥مسائل میں

٦۔ امام حسن بصریؒ کی رائے کو ترجیح:١ مسئلہ میں اور

٧۔ امام اسحاق بن راہویہؒ کی رائے کو ترجیح :١ مسئلہ میں۔

**(٤) توفیق بین المذاہب میں فقہاء محدثین کے اسلوب کو ترجیح:**

شاہ صاحب فقہی تطبیق کے سلسلہ میں جس معتدل موقف کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں، اس کی جھلک انہیں ’’فقہاء محدثین‘‘ میں دکھائی دیتی ہے، چنانچہ اس حوالے سے آپ لکھتے ہیں: "وبعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایشاں واحادیث کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد" یعنی "مذاہب اربعہ کی کتابیں، ان کے اصول فقہ اور وہ احادیث جن سے وہ تمسک کرتے ہیں ان کو دیکھنے کے بعد، غیبی نور کی مدد سے، دل کو فقہاء محدثین کی روش پر قرار ہوا"[34]۔

اور فقہاء محدثین کون ہیں، اس کی وضاحت آپ نے ان الفاظ میں کر دی ہے : "فقہاء محدثین میں سے محققین کا یہی طریقہ ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور یہ لوگ اہل حدیث میں سے ان اصحاب ظواہر کے علاوہ ہیں جو قیاس اور اجماع کے قائل نہیں۔ اور اصحاب حدیث میں سے ان متقدمین سے بھی مختلف ہیں جو مجتہدین کے اقوال کی طرف بالکل التفات نہیں کرتے۔ لیکن وہ اصحاب حدیث کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ مجتہدین کے اقوال میں وہی عمل کرتے ہیں جو عمل کہ مجتہدین نے صحابہ اور تابعین کے اقوال میں کیا ہے"[35]۔

فقہی مسائل میں شاہ صاحب کا رجحان فقہ شافعی کی طرف بہت زیادہ رہا ہے، اسی لیے جن فقہی مسائل سے شاہ صاحب نے تعرض کیا ہے، ان میں بیشتر مسائل میں آپ نے شافعی مذہب کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ بعض محققین کےبقول یہ ہے کہ

سنت سے موافقت کا جو معیار ترجیح شاہ صاحب نے مقرر کیا تھا بیشتر فقہی مسائل میں شافعی مذہب ہی اس معیار پر پورا اترا[36]۔ خود شاہ صاحب نے اپنی بعض تحریروں میں اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:واما هذه المذاهب الاربعۃ فأقربها الی السنۃ مذهب الشافعی[37]"چنانچہ ان چاروں مذاہب میں سے مذہب شافعی سنت کے زیادہ قریب ہے"۔

**فقہی توسع میں شاہ صاحب کے کچھ اور اصول :**

شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں فقہی توسع کے سلسلہ میں کچھ اور اصولی مباحث سے بھی تعرض کیا ہے، جن میں سے چند اہم اصولوں کی طرف آئندہ سطور میں اشارہ کیا جا رہا ہے۔

**۱۔مصلحت کی خاطر مرجوح رائے پر عمل کا جواز:**

شاہ صاحب فقہی مسائل میں اختلاف کو مجموعی طور پر اولیٰ و ارجح کا اختلاف سمجھتے ہیں اور ایسے اختلاف میں مرجوح یا رائے پر عمل کو غلط قرار نہیں دیتے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی تفصیلات آپ یوں بیان کرتے ہیں: "فقہاء کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہے، بالخصوص وہ مسائل جن میں دونوں طرف صحابہ کے اقوال موجود ہیں، ان میں نوعیت اختلاف یہ ہے کہ کون سی صورت اولیٰ اور راجح ہے اور کون سی غیر اولیٰ اور مرجوح۔ اور اسی لیے سلف ان اختلافی مسائل میں ان کے اصلاً جائز ہونے کے بارے میں اختلاف نہیں کرتے۔۔۔ فقہاء اجتہادی مسائل میں (اپنے مخالف) فقہاء کے فتوٰی کو جائز سمجھتے تھے، اور قاضیوں کے فیصلوں (جو ان کے مخالف ہوتے) کو بھی تسلیم کر لیتے تھے، اور بعض اوقات خود بھی اپنے مذہب کے برعکس دوسرے مذہب پر عمل کر لیتے تھے ''۔[38]

پھر آپ نے اس سلسلہ میں سلف سے کچھ مثالیں بھی نقل کی ہیں اور ان پر کوئی نقد نہیں کیا، بلکہ ان کے طرز عمل کو سراہا ہے،مثلاً آپ لکھتے ہیں: "امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے پاس فجر کی نماز پڑھی اور ادب کے طور پر اس میں قنوت نہ پڑھی اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی ہم مذہب عراق کی طرف بھی لوٹ جاتے ہیں۔۔۔ البزازیہ میں امام ابویوسف سے منقول ہے کہ انہوں نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا اور امامت کی۔ نماز پڑھ کر سب لوگ چلے گئے۔ اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ حمام کے کنوئیں میں ایک چوہا مر گیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اب اس موقع پر ہم اپنے مدنی بھائیوں کے اس قول کو اختیار کرتے ہیں کہ پانی کی مقدار دو قلّوں تک پہنچ جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا"[39]۔

**۲۔عامی کے لیے فقہی مذاہب کی یکسانیت اور معین مذہب کا عدم التزام :**

جمہور اہل علم کی طرح شاہ صاحب کی بھی یہ رائے ہے کہ عامی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی عالم دین سے دین کا مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرے[40]۔ لیکن کیا اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی معین مذہب کی تقلید کا التزام کرے، یا معین مذہب کا التزام کیے بغیر کسی مذہب کے عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کر

سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف رہا ہے۔ شاہ صاحب معین مذہب کی تقلید کے التزام کے قائل نہیں ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں پایا جانے والا اختلاف بیان کرکے اپنی تائید میں شیخ عبد الوھاب شعرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ثم نقل عن جماعة عظيمة من علماء المذاهب أنهم كانوا يعملون ويفتون بالمذاهب من غير التزام مذهب معين من زمن أصحاب المذاهب إلى زمانه على وجه يقتضي كلامه أن ذلك أمر لم يزل العلماء عليه قديما وحديثا حتى صار بمنزلة المتفق عليه فصار سبيل المسلمين الذي لا يصح خلافه ولا حاجة بنا بعد ما ذكره وبسطه إلى نقل الأقاويل[41]

بلکہ اگر کسی عامی نے مذہب معین کی تقلید کا التزام کر رکھا ہو، تب بھی شاہ صاحب کے نزدیک اس مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف خروج منع نہیں ہے۔[42]

شاہ صاحب نے اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ محمد مظہر بقا صاحب نے شاہ صاحب کے خیالات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

شاہ صاحب عامی کے لیے مذاہب اربعہ کی تقلید تک محدود رہنے کو تو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن مذہب معین کی پابندی اس کے لیے ضروری نہیں سمجھتے، بجز اس صورت کے کہ وہ عامی جس جگہ موجود ہے وہاں ایک مذہب کے عالم یا علماء کے سوا کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم موجود ہی نہ ہو۔ نیز وہ اسے جائز سمجھتے ہیں کہ عامی نے اگر ایک مذہب کا التزام کر لیا ہے تو چند مسائل میں وہ کسی دوسرے امام کی تقلید کر لے بشرطیکہ مقصد اتباع ہویٰ نہ ہو۔ جب شاہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ ہندو ماوراء النہر کے کسی ایسے شہر میں جہاں مذہب حنفی کے سوا دوسرے مذاہب کے علماء موجود نہ ہوں، صرف حنفی مذہب کی اتباع واجب ہے تو اسی اصول کے مطابق اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں شافعی یا مالکی یا حنبلی مذہب کے علماء کے سوا اور کسی مذہب کے علماء موجود نہ ہوں تو وہاں شاہ صاحب کے مسلک کے مطابق صرف اسی مذہب کی تقلید واجب ہو گی۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں ہر مذہب کے علماء موجود ہوں، تو وہاں کسی ایک مذہب کی تقلید واجب نہ ہو گی بلکہ عامی کو اختیار ہو گا کہ جس مذہب کے عالم سے چاہے فتویٰ لے لے اور اس صورت کا تو شاہ صاحب نے اپنے موقع پر ذکر بھی کر دیا ہے۔ بہرحال شاہ صاحب کے نزدیک ایک مقلد کے لیے مذاہب اربعہ کی تقلید تو ضروری ہے لیکن مجبوری کے بغیران میں سے کسی معین مذہب کی تقلید ضروری نہیں، واللہ اعلم[43]۔

**شاہ صاحب کے برصغیر کے اہل علم پر اثرات :**

برصغیر کے تمام بڑے علمی حلقوں میں آپ کی ان علمی خدمات کو ہمیشہ ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا اور آپ کے افکار آپ کے اہل و عیال، اصحاب و تلامذہ اور آپ کی تصنیفات کی شکل میں نہ صرف پورے ہند بلکہ بیرون ہند بھی پہنچے اور لوگ آپ کے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ سے متاثر ہونے والوں کو درج ذیل چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. شاہ صاحب کے افکار سے جو لوگ متاثر ہوئے، ان میں سب سے نمایاں یا پیش پیش وہ حضرات ہیں جو تقلید کے خلاف آواز اٹھاتے، یا کم از کم فقہی جمود کی مذمت میں سخت رویہ اختیار کرتے تھے۔ ان میں تین طرح کے ذیلی گروہ ہیں: (۱)۔ اہل حدیث[44]، (۲)سرسید، شبلی، جیسے عقلیت پسند۔ (۳) علامہ اقبال،سید مودودی [45] وغیرہ جیسے معتدل اصحاب فکر۔

2. ان کے علاوہ جو لوگ آپ سے متاثر ہوئے ان میں برصغیر کی اسلامی تحریکیں (جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی) اور ان سے وابستہ حضرات شامل ہیں۔ خلافت اسلامیہ کے اعلیٰ تر مقصد کے پیش نظر یہ لوگ فقہی توسع کو وقت کی اہم ترین ضرورت سمجھتے ہیں۔

3. تیسرے اور کم تر درجہ میں آپ سے متاثر ہونے والوں میں وہ اہل علم شامل ہیں جو بنیادی طور پر روایتی حنفی مکتب فکر سے وابستہ ہیں اور یہ لوگ یا تو تعداد کے اعتبار سے کم ہیں یا ان کے ہاں چند ایک فقہی مسائل بطور نمونہ ہمیں ملتے ہیں جن میں توسع یا تلفیق کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب الحیلۃ الناجزۃ کے حوالہ سے، مولانا انور شاہ کاشمیری فیض الباری میں درج بعض فقہی مسائل کے حوالہ سے، مولانا عبد الحی بعض فقہی آراء کے حوالہ سے بطور مثال پیش کیےجا سکتے ہیں۔ معاصرین میں مولانا تقی عثمانی، مولانا زاھد الراشدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی محمد زاہد بھی مالیات اور عائلی مسائل میں فقہی توسع کا اظہار کر رہے ہیں۔

4. چوتھے اور آخری درجہ میں وہ اہل علم اس کڑی میں منسلک کیے جا سکتے ہیں جن کا تعلق (طالب علمانہ پس منظر سے قطع نظر) سرکاری جامعات سے ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ، وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔

## حوالہ جات

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، بقا پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص۸۰، ۸۱، بحوالہ: الحسنی، عبد الحئی، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند، المجمع العلمی، دمشق، ۱۹۵۸ء، ص۱۳۵

2 الحسنی، الثقافۃ، ص۱۲

3 ایضاً، ص۱۲

4 شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیمؒ، التفہیمات الالٰہیۃ، مجلس علمی ڈابھیل،۱۹۳۶، ۲۱۴/۱، ۲۱۵

5 ایضاً، ۱۵۱/۱

6 ایضاً ، ۲۰۸/۱

7 شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین، مطبع احمدی، دہلی، س ن، ص۲۴

8 ڈاکٹر محمد مظہر بقا نے اس سلسلہ میں بعض مسائل کی نشاندہی بھی کی ہے جن میں شاہ صاحب کے والد حنفیت کے خلاف عمل کیا کرتے تھے اور بقا صاحب کے بقول "یہ مسائل وہ تھے جن میں صحیح احادیث یا ان کے وجدان کے مطابق احناف کے

مذہب کے مقابلہ میں کسی دوسرے مذہب کو ترجیح حاصل تھی"۔ دیکھیے: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۸۹۔

9 اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے:محمد مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۹۲ ۔ ۹۵

10 دیکھیے: شاہ ولی اللہ، مکتوبات مع مناقب بخاری و فضیلت ابن تیمیہ، مطبع احمد، دہلی

11 بعض اہل علم کی رائے میں قیام حرمین کے دوران شاہ صاحب کو ابن تیمیہ کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا اور ان سے آپ متاثر ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ میں امام ابن تیمیہؒ کے نہ صرف خیالات بلکہ بعض عبارتیں بھی بعینہ موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد اویس نگرامی، شاہ صاحب کا ایک علمی مآخذ، مقالہ در: الفرقان، (شاہ ولی اللہ نمبر) مکتبہ الفرقان، بریلی، طبع دوم ۱۳۶۰ھ، ص ۳۷۲، ۳۷۳۔

12 شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، بیروت: دار احیاء العلوم، طبع دوم ۱۹۹۲ء، بذیل: باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع، ج۱، ص ۴۰۷؛ نیز وہی مصنف، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، بیروت، دار النفائس، طبع دوم ۱۴۰۴ھ، ص۲۲ وما بعدہ۔

13 ایضا

14 شاہ ولی اللہ، الانصاف، ص۳۲،۳۱۔ نیز: حجۃ اللہ البالغۃ، ص۴۱۲ تا ۴۱۳

15 شاہ ولی اللہ، الدر الثمین فی مبشرات النبی الامینؐ، ہندوستان الکٹرک پریس، دہلی، س ن، ص۵؛ وہی مصنف، تفہیمات،ج۲،ص۲۵۰

16 شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، مطبع احمدی، دہلی، س ن، ص۶۵

17 محمد مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص۵۹۸۔ موصوف لکھتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں صرف مبحث اجتہاد و تقلید سے متعلق مستقل تصنیف کا دروازہ سب سے پہلے شاہ صاحب ہی نے کھولا ہے، کیونکہ ان سے پہلے اس مبحث پر کسی ہندوستانی عالم کی کسی تصنیف کا سراغ نہیں ملتا۔ مولانا عبد الحی نے اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب ''عقد الجید'' [از: شاہ ولی اللہ] ہی لکھی ہے۔ اس سے پیشتر کے کسی ہندوستانی عالم کی کسی ایسی کتاب کا ذکر موجود نہیں جو خاص اس موضوع پر ہو۔ شاہ صاحب کی دو کتابوں عقد الجید اور الانصاف کے علاوہ ایسے اڑتیس(۳۸ )کتب و رسائل ہیں جو مبحث اجتہاد و تقلید پر لکھے گئے۔ (الثقافۃ، ص۱۲۷، ۱۲۹)۔

18 شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید، مجتبائی دہلی، ۱۳۴۴ھ، ص۳۶؛ وہی مصنف، حجۃ اللہ البالغہ، ج۱،ص۱۵۵

19 ایضاً

20 ایضاً

21 ایضاً

22 شاہ ولی اللہ، تفہیمات، ۲۰۸/۱

23 شاہ ولی اللہ، المقالۃ الوضیئۃ فی النصیحۃ والوصیۃ، (وصیت نامہ)، مطبع احمدی دہلی ، س ن، ص، ۲، ۳، ۵

24 مثلاً ایک جگہ آپ لکھتے ہیں: ومنها أني وجدت بعضهم يزعم أن بناء الخلاف بن أبي حنيفة والشافعي رحمهما الله على هذه الأصول المذكورة في كتاب البزدوي ونحوه ، وإنما الحق أن أكثرها أصول مخرجة على قولهم : وعندي أن المسألة القائلة بأن الخاص مبين ، ولا يلحقه بيان ، وأن الزيادة نسخ ، وأن العام قطعي كالخاص ، وأن لا ترجيح بكثرة الرواية ، وأنه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه إذا انسد باب الرأي ، وأن لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف أصلا وأن موجب الأمر هو الوجوب ألبتة : وأمثال ذلك أصول مخرجة على كلام الأئمة ، وأنه لا تصح بها رواية عن أبي حنيفة وصاحبيه ، وأنه ليست المحافظة عليها والتكلف في جواب ما يرد عليه من صنائع المتقدمين في استنباطاتهم كما يفعله البزدوی وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما يرد عليه ( الحجۃ،ج۱،ص۱۶۰)

25 شاہ ولی اللہ، تفہیمات،ج۱،ص۲۰۸

26 شاہ ولی اللہ، القول الجمیل،دیوبند، س ن، ص ۱۰۲، اصحاب ظواہر پر مزید تنقید کے لیے دیکھیے:عقد الجید، ص ۴۳

27 شاہ صاحب کی ان تصانیف کی تفصیل کے لیے دیکھیے:محمد مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص۱۳۶، ۱۳۷

28 الحجۃ، ۱۵۶/۱؛ عقد الجید، ص۳۰

29 عقد الجید، ص۵۷، ۵۸؛ حجۃ اللہ ،ص۱،ص۱۵۸

30 جس کی کچھ وجوہات شاہ صاحب نے آگے بیان کر دی ہیں۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ کہیں نصوص سے براہ راست استفادہ کا رجحان الحاد و زندقہ کی طرف نہ لے جائے جس سے بچانے کے لیے فقہا نے فقہی اصول و ضوابط متعین کیے ہیں۔

31 عقد الجید، ص۳۱، ۳۳

32 التفہیمات، ج۱،ص۲۱۱، ۲۱۲

33 دیکھیے:اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص۶۱۴

34 شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف،(مشمولہ انفاس العارفین)، ص ۲۰۳

35 عقد الجید، ص ۴۳

36 دیکھیے: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ، ص ۹۶۔ ڈاکٹر بقا کے بقول شاہ صاحب اصولی مسائل میں ۱۰۰فیصد اور فروعی مسائل میں ۷۰ فیصد امام شافعی کے مذہب پر تھے۔ مذاہب اربعہ کے تقابل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو شاہ صاحب ۸۰ فیصد مسائل میں فقہ حنفی کے خلاف تھے، ص ۹۶، ۶۰۲، ۶۱۴

37 شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر، خزانہ عاشرہ، ص۱۸۱، مطبوعہ اکوڑہ خٹک

---

38 حجۃ اللہ البالغہ، ۱۵۸/۱: ومنها أن أكثر صور الاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين كتكبيرات التشريق، وتكبيرات العيدين، ونكاح المحرم، وتشهد ابن عباس وابن مسعود، والاخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع والايتار في الاقامة ونحو ذلك إنما هو في ترجيح أحد القولين. وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين ونظره اختلاف القراء في وجوه القراءة. وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون وأنهم جميعا على الهدى، ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية، ويسلمون قضاء القضاة، ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم

39 حجۃ، ۱۵۹/۱

40 دیکھیے: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۵۹۵

41 عقد الجید، ص۷۹

42 ایضاً.شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ امام نووی کی بھی یہی رائے ہے۔ نیز اس مسئلہ میں حنفیہ کی بھی یہی رائے ہے، تاہم وہ اس کے ساتھ یہ شرط لگاتے ہیں کہ ایسا کرتے وقت تلہی کی نیت کارفرما نہ ہو۔دیکھیے:بحر العلوم، عبد العلی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، المطبعۃ المنیریۃ، مصر، ط ۱۳۲۵ھ، ۳۰۶/۲؛ امیربادشاہ، محمد امین، تیسیرالتحریر، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط ۱۳۵۱ھ، ۲۵۲/۳

43 دیکھیے: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۵۹۵۔

44 تقلید جامد کی مذمت اور فقہی توسع کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے افکار کو غالباً سب سے زیادہ اہل حدیث حضرات نے برصغیر میں پھیلانے کی کوشش کی ہے(دیکھیے: محمد اسماعیل سلفی، شاہ ولی اللہ اورتحریک آزادی فکر، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور؛ ابویحییٰ نوشہروی، تذکرۂ علماء حدیث ہند، دہلی، ۱۹۳۸ء؛ محمد بشیر سیالکوٹی، الامام المجدد المحدث الشاہ ولی اللہ الدهلوی، دار العلم، اسلام آباد، ط ۱۹۹۳ء)۔ ردّ تقلید کے سلسلہ میں سب سے زیادہ شدت اہل حدیث میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں نواب صدیق حسن خان تو شاہ صاحب کی عظمت کو سلام کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر آپ صدر اول میں پیدا ہوتے تو کوئی نہ کوئی بڑے امام کا رتبہ پاتے (دیکھیے: اتحاف النبلاء، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۸۸ھ، ص۴۳)۔

45 بانی جماعت اسلامی سید مودودی شاہ صاحب سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے آپ کو اپنے وقت کا مجدد تسلیم کیا ہے(دیکھیے: مودودی، ابوالاعلیٰ، تجدید و احیاء دین، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ط ۱۹۹۵ء، ص۹۳)۔اور فقہی اختلافات میں شاہ صاحب نے جس علمی اسلوب کو موضوع بحث بنایا ہے، سید مودودی اسے "نہایت معتدل مسلک" قرار دیتے ہیں (ایضاً، ص۱۰۶)، اور اس معتدل مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ مسلکِ معتدل اختیار کرنے سے فائدہ یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری اور تقلید جامد اور لاطائل بحثوں میں

تضییع اوقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وسعتِ نظر کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلتا ہے"۔ (ایضاً، ص ۱۰۸)